امام ابن تیمیہ کا تعارف اور فتاویٰ النساء میں ان کا منہج واسلوب کا تحقیقی جائزہ

A Research Analysis of Imam Ibn Taymiyyah’s Introduction and His Methodology and Style in “ Fatawa-al-Nisa”

محمد زیب خان قاضی* ڈاکٹر ضیاء اللہ الازہری**

ISSN (P) 2664-0031 (E) 2664-0023
DOI: https://doi.org/10.37605/fahmiislam.v7i2.2

Received: September,2024
Accepted: November, 2024
Published: December,2024

Abstract

This research paper, titled "A Research Analysis of Imam Ibn Taymiyyah's Introduction and His Methodology and Style in "Fatawa al-Nisa"" comprises an exploration of Imam Ibn Taymiyyah’s biography, including his name and lineage, education and training, scholarly standing, periods of imprisonment, and eventual passing.

This research examines the scholarly contributions of Imam Ibn Taymiyyah, with a specific focus on his methodology and style in *Fatawa al-Nisa*, his collection of rulings related to women's issues. The study investigates how Ibn Taymiyyah's approach to jurisprudence, particularly concerning women, is shaped by his adherence to the Qur'an and Sunnah. It also explores his use of direct reasoning, clarity, and critical evaluation of practices he deemed innovations. This analysis aims to provide a detailed understanding of his balanced approach in Islamic rulings, highlighting his influence on jurisprudential perspectives related to women’s issues.

Keywords: Jurisprudence, women's issues, analysis.

نام ونسب

آپ کا نام احمد عرف ابن تیمیہ لقب تقی الدین اور کنیت ابو العباس ہے۔ آپؒ کا شجرہ نسب یہ ہے "

تقی الدین ابو العباس احمد بن شہاب الدین ابی المحاسن عبد الحلیم بن مجد د الدین ابی البرکات عبد السلام بن ابی محمد

* ریسرچ سکالر ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز قرطبہ یونیورسٹی برائے سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور۔: ۔۔۔۔۔۔

(Correspondence Author)

** پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز قرطبہ یونیورسٹی برائے سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور۔

عبداللہ بن ابی القاسم الخضر بن محمد بن الخضر بن علی بن عبداللہ بن تیمیہ الحرانی آپ کا خاندان "خاندانِ ابن تیمیہ" کے نام سے مشہور ہے [1]۔

ولادت

بعض مؤرخین کے نزدیک امام ابن تیمیہؒ کی ولادت 10 ربیع الاول 661ھ (مطابق 22 جنوری 1263ء) جب کہ بعض دوسرے تذکرہ نگار کے نزدیک آپؒ کی ولادت 12 ربیع الاول 661ھ مشہور شہر حران میں ہوئی [2]۔ البتہ ان سب کا اس پر اتفاق ہے، کہ وہ پیر کا دن تھا، چونکہ شمسی و قمری کیلنڈر کے مطابق 10 ربیع الاول کو پیر تھا [3]، اس لیے یہی قول زیادہ راجح ہے۔

ابن تیمیہ کے عرف کی وجہ تسمیہ

خاندانِ ابن تیمیہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے، کہ امام ابن تیمیہؒ کے دادا محمد بن خضر نے سفر حج کے دوران تیماء نامی مقام پر ایک خوبصورت لڑکی دیکھی، واپس گھر آئے، تو ان کو بچی کی ولادت کی بشارت دی گئی، جب بچی سامنے لائی گئی، تو وہ بچی تیماء والی لڑکی کے ہم شکل دیکھ کر بے اختیار بول اٹھے یا تیمیہ۔ چنانچہ وہی اس کا نام پڑ گیا [4]۔

دوسرا قول ابن النجار (643ھ) سے منقول ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں، کہ محمد کی والدہ کا نام "تیمیہ" تھا۔ وہ اتنی بڑی شہرت یافتہ واعظہ تھیں، کہ ان کے بعد پورا خاندان ان کی طرف منسوب ہوا [5]۔

سکونت اور ابتدائی تعلیم و تربیت

امام ابن تیمیہؒ کا آبائی وطن حران ہے۔ ابتدائی چھ سال وہاں گزار کر تاتاریوں کے حملے کے بعد اپنے والد عبدالحلیم کے ہمراہ 667ھ میں دمشق کی طرف چل نکلے۔ حران میں تعلیم کی ابتداء کے بعد دمشق میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ کے والد عبدالحلیم دمشق میں قائم مدرسہ "دارالحدیث السکریہ" میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔ عبدالحلیم برجستہ اور کتاب دیکھے بغیر زبانی درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام صاحبؒ نے وہاں کے مختلف اساتذہ اور دیگر علمی مراکز سے خوب استفادہ کیا۔ سب سے پہلے امام ابن تیمیہؒ حفظِ قرآنِ کریم کی طرف متوجہ ہوئے، اور کمسنی ہی میں قرآنِ کریم حفظ کیا۔ اور مرتے دم تک قرآن کریم کے ساتھ شغف کا یہ عالم تھا، کہ کبھی تلاوت ناغہ نہیں کی، یہاں تک کہ جیل میں بھی 80 سے زیادہ ختم کیے [6]۔

قرآنِ کریم حفظ کرنے کے بعد حفظِ حدیث، نحو، منطق، فلسفہ، عربی ادب، لغت اور دوسرے علوم کی تحصیل میں مشغول ہوگئے۔ اور احکام فقہیہ کا بھی ایک وافر حصہ زبانی یاد کیا۔ شروع ہی سے امام صاحبؒ کے اندر تین خصوصیات نمایاں نظر آنے لگیں، جن کے فوائد و ثمرات اور اثرات بڑی عمر میں ظاہر ہونے لگے۔

پہلی خصوصیت یہ تھی، کہ ابتداء ہی سے امام صاحبؒ محنت اور مسلسل جدوجہد میں لگے رہتے تھے۔ اور کبھی بھی دوسرے لڑکوں کی طرح لہو ولعب اور کھیل کود کی طرف توجہ نہ دی۔

دوسری خصوصیت یہ تھی، کہ تعلیم و تعلم اور حفظ علوم کے ساتھ ساتھ اپنے گرد و پیش ماحول پر پورا دھیان رکھتے۔ اور حیاتِ دنیوی سے کٹ کر نہ رہتے تھے۔

چنانچہ ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

"کمسنی کے باوجود کھیل کود سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اور وہ وقت ضائع نہیں کرتے۔ بایں ہمہ وہ زندگی اور اپنے زمانہ کی سوسائٹی شہر کے حالات اور لوگوں کے اخلاق وعادات سے بے خبر اور بے تعلق نہیں تھے۔ ان کی تصنیفات سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ ان کی زندگی کا مطالعہ وسیع اور عمیق تھا۔ اور انہوں نے عوام سے الگ تھلگ کسی علمی گوشہ میں زندگی نہیں گزاری تھی[7]"

تیسری خصوصیت یہ تھی، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیدار مغز، فکرِ قویم اور غیر معمولی ذہانت وذکاوت جیسی خداداد صلاحیتوں سے نوازا تھا[8]۔

امام ابن تیمیہؒ نے چھوٹی عمر میں بڑی محنت، انہماک اور یکسوئی کے ساتھ تمام مروجہ علوم میں کمال حاصل کیا۔ چنانچہ ان کو علوم القرآن، علوم الحدیث، فقہ، عربی ادب، لغت، نحو وغیرہ علوم پر کافی دسترس حاصل تھی۔ کلام اللہ کی تفسیر ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ موضوع تھا۔ تقریباً سو سے زیادہ کتب تفسیر کا مطالعہ کیا۔ اس بارے میں وہ خود تحریر فرماتے ہیں:

"ربما طالعت على الآية الواحدة نحو مائة تفسير، ثم أسأل الله الفهم وأقول يا معلم آدم وابراهيم علمني[9]"

"بعض اوقات میں نے ایک آیت کی تفسیر و تفہیم کے لیے سو سو تفسیروں کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا، مجھے اس آیت کا فہم عطا فرما۔ اے آدم وابراہیم علیہما السلام کے معلم میری تعلیم فرما"

آپؒ نے حدیث میں سب سے پہلے امام حمیدی کی کتاب "الجمع بین الصحیحین" زبانی یاد کی۔ صحاح ستہ اور مسند امام احمد بن حنبل کی سماعت کی بار بار نوبت آئی۔ ابن عبد الہادی کا بیان ہے، کہ حدیث میں ابن تیمیہ کے شیوخ کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے[10]۔اس طرح علمِ حدیث کو عروج تک پہنچایا۔ چنانچہ حافظ ذہبی (748ھ) لکھتے ہیں:

"يصدق عليه أن يقال كل حديث لا يعرفه ابن تيمية فليس بحديث[11]"

"ابن تیمیہ کے متعلق یہ کہنا درست ہو گا، کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں، وہ حدیث ہی نہیں ہے"

علوم فقہ ان کے گھر کی چیز تھی، یہاں تک کہ امام ابن تیمیہؒ کے دادا ابو البرکات مجد الدین فقہ میں امامت کے درجے پر فائز تھے۔ چنانچہ امام ذہبی (748ھ) لکھتے ہیں:

"وانتهت إليه الامامة في الفقه[12]"

"فقہ میں وہ امامت کے درجے تک پہنچے تھے"

بعض اہل علم نے ان کو مجتہد مطلق قرار دیا ہے۔ خود ان کے والد شہاب الدین عبد الحلیم فقہ حنبلی کے شیوخ میں سے تھے۔ چنانچہ علم و فقہ کے معدن سے فائدہ اٹھا کر امام ابن تیمیہؒ نے کمسنی ہی میں بے پایاں فقہی بصیرت حاصل کی۔ متقدمین و متاخرین فقہاء کی آراء پر ان کی وسیع نظر تھی۔ اصحابِ قیاس کے استنباطات سے وہ پوری طرح واقف تھے۔ اہل حدیث کی تنقیدیں اور اصحابِ تخریج کا تعمق ان کے سامنے تھا۔ ان کی فقہی بصیرت کی خصوصیت یہ تھی، کہ ان کے ہاں فقہی مسائل میں فروع اصول کی طرف، نتائج مقدمات کی طرف، اور مسببات اسباب کی طرف راجع ہوتے تھے۔ تاکہ شریعت کا مغز و مقصد کھل کر سامنے آجائے۔ اور کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ امام صاحب مسائل فقہیہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کو ترجیح دیتے تھے، اور ان کی آراء کی تلاش میں برابر لگے رہتے۔ نیز کبار تابعین کے فتاویٰ کی معرفت کے بھی حریص تھے[13]۔

اس کے علاوہ فلسفہ و منطق کا عمیق مطالعہ کیا۔ اور ان پر ایسی دسترس حاصل کی، کہ ان علوم کے سقم پر ان کے ائمہ و مصنفین کی گرفت کی۔ اور مدلل انداز میں ان پر تنقیدانہ بحث کی۔ چنانچہ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"تفقہ کی شان یہ تھی، کہ بلاشبہ انہیں مجتہد مطلق کا مرتبہ حاصل تھا۔ علوم عقلیہ، منطق، فلسفہ اور کلام میں اتنی گہری نظر تھی، کہ ان کے معاصرین میں سے جن لوگوں کا سرمایہ ناز یہی علوم تھے، وہ ان کے سامنے بچوں کی حیثیت رکھتے تھے [14]"

آخری اسیری اور وفات

امام ابن تیمیہؒ مخالفین کی شرارتوں کی وجہ سے کئی بار جیل گئے۔ آخری بار ان کو "مسئلہ زیارت روضہ اقدس ﷺ" کی وجہ سے 7 شعبان 726ھ کو جیل جانا پڑا۔ شیخ الاسلامؒ نے شاہی فرمان سن کر کہا۔

"أنا كنت منتظرا لذلك، وهذا فيه خير كثير ومصلحة كبيرة[15]"

"مجھے اسی کا انتظار تھا۔ اس میں خیرِ کثیر اور بڑی مصلحت ہے"

امام ابن تیمیہؒ کے ساتھ ان کے تلمیذِ رشید حافظ ابن قیمؒ بھی قلعہ دمشق میں پابند سلاسل تھے۔ قید کے دوران بھی امام ابن تیمیہؒ کے ذوقِ عبادت و انابت اور تصنیف و تالیف میں کمی نہ آئی۔ البتہ اس دوران حضرت شیخ کا سب سے بڑا شغف تلاوتِ قرآن کریم تھا۔ اور دو سال کے قلیل عرصہ میں 80 مرتبہ قرآن کریم ختم کیا۔

مرض الوفات کی ابتداء کے 20 روز بعد 22 ذی القعدہ 728ھ کو اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ صبح سویرے خبرِ وفات کا اعلان قلعہ کے مینار سے کیا گیا۔ اس خبر سے چاروں طرف ہلچل مچ گئی۔ کثرتِ ازدحام کی وجہ سے لوگوں کو زیارت کے لیے اندر جانے کا اذنِ عام دیا گیا۔ عالم اسلام کے اطراف واکناف میں بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ چنانچہ ابن رجب لکھتے ہیں:

"وصلى عليه صلاة الغائب في غالب بلاد الإسلام القريبة والبعيدةحتى في اليمن والصين وأخبر المسافرون أنه نودي بأقصى الصين للصلاة عليه يوم جمعة "الصلاة على ترجمان القرآن[16]".

:"اسلامی ممالک کے اکثر قریب و بعید شہروں میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی، یہاں تک کہ یمن اور چین میں بھی پڑھی گئی ۔اور مسافروں نے خبر دی، کہ چین کے ایک دور واقع شہر میں جمعہ کے دن نماز جنازہ کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا، کہ "ترجمان القرآن کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی"

لوگ تجارت و کاروبار چھوڑ کر جنازہ میں شریک ہوئے، سوائے چند لوگوں کے، جو کسی عذر یا کثرتِ ازدحام کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ تقریباً پندرہ ہزار عورتیں شریک ہوئیں ۔تمام شرکاء کی تعداد ایک اندازے کے مطابق ساٹھ ہزار سے لے کر دو لاکھ تک تھی۔ پہلی نماز جنازہ قلعہ کے اندر شیخ محمد بن تمام نے پڑھائی۔ پھر دوسری مرتبہ نماز جنازہ جامع اموی میں نمازِ ظہر کے بعد شیخ علاؤالدین بن الخراط نے پڑھائی۔ تیسری مرتبہ ان کے چھوٹے بھائی علامہ زین الدین عبد الرحمٰن نے پڑھائی۔ عصر کے وقت اس آفتاب علم و عمل کو مقبرۃ الصوفیہ میں اپنے بھائی شرف الدین عبد اللہ کے پہلو میں سپرد خاک کیے گئے[17]۔

تصانیف:

انہوں نے تفسیر کے موضوع پر 80، حدیث پر 40، فقہ پر 120، اصول فقہ پر 20، عقائد و کلام پر 120، اخلاق و تصوف پر 60، تردید فلسفہ و منطق پر 10 اور متفرق موضوعات پر تقریباً 35 کتابیں تصنیف فرمائی[18]۔

تصنیف و تالیف کی خصوصیات

امام ابن تیمیہؒ کی تصنیفات و تالیفات کچھ نمایاں خصوصیات کی حامل ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(1) ان کی تحریر واضح، شفاف اور غیر مبہم ہوتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے، کہ اکثر ان کا مناظروں اور آراء کی تردید کے ساتھ واسطہ پڑتا تھا، یا پھر ان شرعی مسائل کی تشریح و تنقیح کرنی پڑتی تھی، جو لوگوں پر مبہم ہوتے تھے۔

(2) وہ اکثر احادیثِ نبوی، سلف کے آثار، صحابہ و تابعین کے اقوال اور ائمہ مجتہدین کے اختلاف ان کے نہج کے ساتھ بطور استشہاد پیش کرتے ہیں۔ اور ماخذ اصلیہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

(3) ان کی کتابیں عربی منہج، الفاظ کی ادائیگی اور عبارات کی دل نشینی کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔

(4) ابن تیمیہؒ کی تحریر فکر عمیق کی حیثیت سے بھی ان کو الگ مقام عطا کرتی ہے۔ وہ جزئیات کے بجائے اصول پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور مقاصدِ شریعت اور دین کی اصل روح قاری کے سامنے لاتا ہے۔

(5) ان کی تفسیری تحریر کی خصوصیت یہ ہے، کہ انسانی زندگی کے ساتھ اس کو مربوط کرتے ہیں۔ اور ہر پڑھنے والے کو اس میں اپنی زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔

(6) امام صاحبؒ کی ہر تصنیف انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ بحث کرتے کرتے کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔ عقائد پر بحث کرتے ہوئے حدیث کی تشریح یا پھر آیت کی تفسیر کرنے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح فقہی مسئلہ کی تشریح کرتے وقت ایسے اصول و قواعد اور مسائل زیرِ بحث لاتے ہیں۔ جن کا اگرچہ اس مسئلہ کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ مگر اصل موضوع کی طرف لوٹنے میں بہت دیر لگ جاتی ہے۔ غرض ان کی تصنیفات خطابانہ حیثیت کی حامل ہیں۔

(7) امام صاحب کی تصانیف میں تکرار بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے ایک ہی موضوع پر اپنی متعدد تصانیف میں تفصیلاً تبصرہ کیا ہے، جس کا ایک سبب یہ ہے، کہ ان کی اکثر تحریریں کسی مناظرہ اور بحث و مباحثہ کے طور پر لکھی گئی ہیں، یا پھر ایک استفتاء بار بار پیش آنے کی وجہ سے متعدد دفعہ اس کا جواب لکھنا پڑا[19]۔

تصانیف کی تعداد:

امام صاحبؒ کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں علماء کے متعلق متعدد اقوال ہیں۔

امام ذہبیؒ نے ان کی تعداد ایک ہزار بتلائی ہے، جب کہ ان کا دوسرا قول یہ ہے، کہ شاید آپ کی تصانیف کی تعداد چار ہزار کراسے یا اس سے زیادہ ہیں۔ البرزالی فرماتے ہیں، کہ ان کی تصانیف کی تعداد تین سو ہیں[20]۔ جب کہ ابوالوفاء ابراہیم بن محمد فرماتے ہیں، کہ ان کی حیات میں ان کی تصانیف کی تعداد پانچ سو جلدوں تک پہنچ چکی تھی۔

اختلاف کے اسباب:

شیخ الاسلامؒ صاحب کی تصانیف کی تعداد میں اختلاف کی ایک وجہ یہ ہے، کہ وہ کبھی اپنی تمام تصانیف یکجا کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ نیز انہوں نے کبھی ایک جگہ پر مقیم ہو کر تصنیف و تالیف کا کام نہیں کیا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا، کہ کسی استفتاء کے جواب میں بیٹھے بیٹھے ایک پورا رسالہ لکھ کر دے دیا۔ جیسا کہ انہوں

نے " العقيدة الحموية" ظہر اور عصر کے درمیان لکھا ہے۔ تعدادِ تصانیف کے اختلاف کی ایک وجہ کراسہ اور جلدیں ہیں۔ کہ کراسہ کا مصداق جزو کتاب یا رسالہ ہے۔ نیز بعض کتابوں کی جلدوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ مثلاً بعض نے تخلیص التلبیس کی سات جلدیں جب کہ بعض نے اس کی بیس جلدیں بتلائی ہیں۔[21]

فتاویٰ النساء میں امام ابن تیمیہ کا منہج واسلوب

عورت معاشرے کا اہم جزو ہے۔ خواتین کا دینی علوم سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے۔ اصلاح معاشرہ میں عورت کا بڑا کردار ہے۔ اگر خاتون کی زندگی قرآن وسنت کے موافق ہو، تو نئی نسل کی تربیت اسلامی خطوط پر بہت آسانی سے ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے علماء نے ایسی کتابیں تالیف فرمائی ہیں، جو صرف عورتوں کے مسائل سے متعلق ہیں۔ چنانچہ مرتبِ کتاب ابراہیم الجمل نے بھی "فقہ المرأۃ المسلمۃ" کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمائی تھی، جو عورتوں کے متعلق شرعی قواعد واسلامی احکام پر مشتمل تھی۔ اس کے بعد مرتب نے اس کی تکمیل کی خواہش ظاہر کی، مگر چونکہ فقہ اصول وقواعد پر مشتمل ہوتی ہے، اور بسا اوقات اس کو عملی زندگی پر منطبق کرنے میں کافی دشواری پیش آتی ہے، اس لیے مؤلفِ کتاب نے بذاتِ خود اصول وضع کرنے اور اس پر جزئیات منطبق کرنے کے بجائے متقدمین کے فتاویٰ سے اصول وجزئیات اخذ کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ مرتبِ کتاب ابراہیم الجمل نے امام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ " مجموع الفتاوی الکبریٰ " کو ماخذ بنا کر اس میں عورتوں کے متعلق مسائل جمع کر کے ان پر بعض مسائل کا اضافہ کیا۔ چنانچہ وہ مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں:

> "وهدانی الله إلی کتاب "مجموع الفتاویٰ الکبریٰ" لشیخ الإسلام ابن تیمیة، فأفردت الخاص بالنساء فی هذا الکتاب ، وأضفت الیه بعض أحکام تخص الرجال والنساء معاً[22]"

> "اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام کے فتاویٰ " مجموع الفتاویٰ الکبریٰ " کی طرف میری رہنمائی کی۔ پس میں نے اس کتاب میں وہ مسائل جمع کرنا شروع کیے، جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں۔ اور ان پر میں نے بعض احکام کا اضافہ کیا، جو مرد وعورت دونوں کے ساتھ خاص ہیں"

عورتوں کے متعلق مسائل جمع کرنے کے بعد انہوں نے اس کی آیات واحادیث کی تخریج، مخالفین کی آراء، بعض الفاظ کی تہذیب، اور بعض مقامات پر جملوں میں رد وبدل کر کے آسان وسہل تعبیرات اختیار

کرنے کی کوشش کی۔ نیز مجموع الفتاویٰ الکبری میں ان مسائل کو بلا عنوان ذکر کیا گیا ہے، مؤلفِ کتاب نے متعلقہ مسائل پر ان کا نمبر وار عنوان لگا کر ان کی قدر و قیمت مزید بڑھادی۔

چونکہ مجموع الفتاویٰ الکبریٰ زندگی کے مختلف شعبہ ہائے کے متعلق موضوعات پر مشتمل ہے، جب کہ مؤلف کا مقصد صرف فقہی مسائل کو جمع کرنا تھا، اس لیے مؤلفِ کتاب نے صرف ان جلدوں کی طرف توجہ دی، جو فقہی مسائل پر مشتمل تھیں۔ چنانچہ مؤلفِ کتاب ابراہیم الجمل مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں:

"فتاوى النساء من كتاب "مجموع الفتاوىٰ الكبرى "لشيخ الإسلام بن تيمية كما تقدم ، والكتاب يقع فى سبع وثلاثين مجلداً ،تشمل التوحيد، والتفسير، وأصول الفقه، والتصوف، والفقه، والجهاد۔۔۔ فوقفت على ما يخص الفقه من المجلد الحادى والعشرين الى الثالث والثلاثين وأفردت به ما يخص النساء[23]"

"فتاویٰ النساء شیخ الاسلام کے "مجموع الفتاویٰ الکبریٰ" سے ماخوذ ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ کتاب 37 جلدوں پر مشتمل ہے، جو توحید، تفسیر، اصول فقہ، تصوف، فقہ اور جہاد وغیرہ موضوعات کو شامل ہے۔ پس 21 سے لیے 33 تک جو جلدیں فقہ کے ساتھ خاص تھیں، میں نے ان کا معائنہ کیا، اور ان سے عورتوں کے ساتھ مخصوص مسائل کو الگ کیا"

فتاویٰ النساء کا اصل ماخذ "مجموع الفتاویٰ الکبریٰ" کا مختصر تعارف

مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ فتاویٰ النساء کے اصل ماخذ "مجموع الفتاوی الکبریٰ" کا مختصر تعارف کیا جائے۔ چنانچہ "مجموع الفتاویٰ الکبریٰ" جو کہ فتاویٰ ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہے 37 ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ فتاویٰ عبد الرحمٰن بن محمد بن قاسم نے اپنے بیٹے محمد کی معاونت سے مرتب کیا ہے۔ اس فتاویٰ میں زندگی کے مختلف شعبہ ہائے سے متعلق مختلف مسائل و موضوعات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

امام ابن تیمیہ کا فقہی مرتبہ

امام ابن تیمیہ کے فتاویٰ اور طرز واسلوب جاننے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ان کا علم اور فقہی مرتبہ معلوم ہو جائے۔ چنانچہ ان کے طرز واسلوب اور فقہی مرتبہ کے متعلق مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"جہاں تک ان کے عمل کا تعلق ہے، انہوں نے بیشتر مسائل میں امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب واصول پر فتویٰ دیا ہے۔ اکثر مسائل میں ان کی رائے اور فتویٰ ائمہ اربعہ یا ائمہ ہدیٰ میں سے کسی امام کے اجتہاد وفتویٰ کے مطابق ہے۔ اور بعض مسائل میں انہوں نے اجتہاد سے کام لیا ہے، اور کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کی روشنی میں انہوں نے فتویٰ دیا ہے۔ ان سب صورتوں کا موازنہ کرتے ہوئے ان کے متعلق صحیح یہ ہے، کہ وہ مذہب حنبلی کے مجتہد منتسب[24] تھے[25]"

امام ابن تیمیہؒ امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کو کتاب وسنت کے زیادہ قریب سمجھتے ہیں، اور اپنے فتاویٰ میں اکثر اسی کی پابندی کرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ومن كان خبيرا بأصول أحمد ونصوصه عرف الراجح في مذهبه في عامة المسائل وإن كان له بصر بالأدلة الشرعية عرف الراجح في الشرع ؛ وأحمد كان أعلم من غيره بالكتاب والسنة وأقوال الصحابة والتابعين لهم بإحسان ؛ ولهذا لا يكاد يوجد له قول يخالف نصا كما يوجد لغيره ولا يوجد له قول ضعيف في الغالب إلا وفي مذهبه قول يوافق القول الأقوى[26]"

"جو شخص امام احمد بن حنبلؒ کے اصول ونصوص سے باخبر ہو، وہ عام مسائل میں ان کے راجح مذہب کو معلوم کر سکتا ہے۔ اور اگر اس کو دلائل شرعیہ کی بصیرت حاصل ہو، تو وہ شریعت میں راجح قول کو پہچان سکتا ہے۔ امام احمدؒ دوسروں سے زیادہ کتاب وسنت اور صحابہ وتابعین کے اقوال سے باخبر تھے۔ اس لیے ان کا کوئی قول ایسا نہیں ملتا، جو کسی نص کے خلاف ہو، جیسا کہ دوسرے ائمہ کا قول ملتا ہے۔ اور اگر ان کا کوئی ضعیف قول ملتا ہے، تو ان کے مذہب میں دوسرا قول بھی مل جاتا ہے، جو قوی قول کے موافق ہوتا ہے"

البتہ چونکہ وہ تقلید شخصی کے قائل نہیں ہیں، اس لیے وہ بعض مسائل میں امام احمدؒ کے مشہور مسلک سے بھی اختلاف کرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ النساء میں ایسے کئی مسائل موجود ہیں، جن میں انہوں نے امام احمدؒ کے برخلاف دوسرے ائمہ کے مذہب کو ترجیح دی ہے۔

فتاوی النساء کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

1)۔۔ قرآنِ کریم سے استدلال

امام ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں اسلامی منہج اختیار کرتے ہوئے سب سے پہلے قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں۔اور متعلقہ مضمون کی تمام آیات جمع کرکے ان کی درست تفسیر کی نشان دہی کرتے ہیں۔مثلاً جب ان سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا، جو بلا دلیل اپنی بیوی پر بے حیائی کی تہمت لگائے، اور اس کا مقصد اس کا نان نفقہ روکنا ہوتا ہے۔تو امام ابن تیمیہؒ نے فوراًاس کی توجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف دلائی۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

مثال:"وسئل عن رجل اتهم زوجته بفاحشة ؛ بحيث إنه لم ير عندها ما ينكره الشرع إلا أنه ادعى أنه أرسلها إلى عرس ثم تجسس عليها فلم يجدها في العرس فأنكرت ذلك۔۔۔۔فأجاب :قال الله تعالى : ﴿يا أيها الذين آمنوا لا يحل لكم أن ترثوا النساء كرها ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما آتيتموهن إلا أن يأتين بفاحشة مبينة[27]﴾[28]"سوال کیا گیا: ایک شخص نے اپنی بیوی پر فحاشی کا الزام لگایا؛ حالانکہ اس نے اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جسے شریعت ناپسند کرے، مگر اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے اسے ایک شادی میں بھیجا، پھر اس پر نظر رکھی تو اسے شادی میں موجود نہیں پایا، اور بیوی نے اس بات سے انکار کر دیا۔جواب دیا گیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا... اے ایمان والو! حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو ،عورتوں کو زبردستی۔اور نہ روکے رکھو، ان کو اس واسطے کہ لے لو، ان سے کچھ اپنا دیا ہوا، مگر یہ کہ وہ کریں بے حیائی صریح"

2)۔۔۔سنتِ رسول ﷺ سے استدلال

قرآن کریم کے بعد وہ دوسرے مراجع ومصادر کی بجائے سنت وحدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔اور رسولِ کریم ﷺ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کی روشنی میں مسئلے کا جواب دیتے ہیں۔نیز مذکورہ مسئلے کے متعلق پوری حدیث ذکر کرنے کی بجائے حدیث کا صرف وہ ٹکڑا نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، جو ان کا مستدل ومقصود ہوتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ جرح وتعدیل کے اصولوں پر بھی کافی دسترس رکھتے ہیں، اور متعلقہ حدیث ذکر کرکے اس کے راویوں پر جرح وتعدیل کے ساتھ ساتھ حدیث کی قوت وضعف متعین کرتے ہیں۔

وہ تمام ائمہ کے اقوال وآراء کو کتاب وسنت کی روشنی میں پرکھتے ہیں۔ان کا نقطہ نظر یہ ہے، کہ اگر کوئی مجتہد اپنی بصیرت کی بناء پر کسی ایسے قول کی تائید کر رہا ہے، جو اگرچہ اپنے امام کے مسلک کے خلاف ہے، مگر وہ کتاب وسنت کے زیادہ موافق ہے، تو وہ درحقیقت اپنے امام کے اصول کی پیروی کر رہا ہے۔کیونکہ ہر امام کا یہی

قول ہے، کہ اگر میرے قول کے خلاف کوئی حدیث مل جائے، تو وہی میرا مذہب ہے۔ چنانچہ جب شیخ الاسلامؒ سے اعتکاف کا حکم پوچھا گیا، تو انہوں نے فقہی کتابوں کی طرف رجوع کے بجائے رسول اللہ ﷺ کے اعتکاف کے متعلق تمام روایات سامنے رکھ کر نہایت تحقیقی انداز میں سنتِ رسول ﷺ کی روشنی میں جواب دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

مثال:وسئل عن الاعتكاف؟

فاجاب:قول عائشة"ما زال رسول الله صلى الله عليه وسلم يعتكف العشر الأواخر حتى قبضه الله"۔۔۔الخ[29]

"اعتکاف کے بارے میں سوال کیا گیا تو جواب دیا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے:"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آخری عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔"

3)۔۔۔اکابر صحابہ وتابعین کی رائے کو ترجیح دینا

امام ابن تیمیہؒ کے زمانے میں علماء کی نظر ائمہ اربعہ پر محدود ہو گئی تھی۔ وہ سوال وجواب میں صرف ائمہ اربعہ کے اقوال نقل کر کے اسی پر اکتفا کرتے تھے۔ اکابر وتابعین کے اقوال وآراء کو پیش کرنے کا طریقہ ان کے نزدیک بالکل متروک ہو چکا تھا۔ امام ابن تیمیہؒ نے مروجہ طریقہ ترک کر کے فطری طریقہ اختیار کرنے کو ترجیح دی۔ انہوں نے اپنے فتاویٰ میں دلیل کے طور پر اکابر صحابہ وتابعین کا عمل ان کے اقوال وآراء کو پیش کرنے کا طریقہ رائج کیا۔ چنانچہ وہ اقسامِ حج کی افضلیت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ایک صورت کے متعلق رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأما إذا أفرد الحج واعتمر عقب ذلك من أدنى الحل فهذا الإفراد لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا أحد من أصحابه الذين حجوا معه بل ولا غيرهم"[30]

"جہاں تک بات ہے کہ حج کو الگ سے ادا کیا جائے اور اس کے بعد سب سے قریبی حدودِ حرم سے عمرہ کیا جائے، تو یہ طریقہ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا اور نہ ہی آپ کے ان صحابہ نے جنہوں نے آپ کے ساتھ حج کیا، بلکہ اور کسی نے بھی یہ طریقہ نہیں اپنایا۔"

4)۔۔۔متقدمین کی فقہی تصنیفات پر اعتماد

امام ابن تیمیہؒ ہمیشہ سے سلف کے طریق کی ترجیح اور ان کی دینی، علمی، عملی اور فکری فضیلت و تفوق پر بحث کرتے ہیں۔ وہ اپنے فتاویٰ میں متاخرین کی تصنیفات اور ان کے اقوال اختیار کرنے کی بجائے متقدمین کی تصنیفات اور ان کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ ثانوی کی بجائے اصل اور مراجع کی بجائے مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور ان کے تمام فتاویٰ و تصانیف میں یہی اصول عیاں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی تصانیف میں اکثر متقدمین کے اقوال کا حوالے دیتے ہیں۔ اور ایک جگہ تنزیہ، تمثیل و تشبیہ میں ان کی مخالفت سے بچنے کو صراط مستقیم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إياك مما يخالف المتقدمين من التنزيه وتوق التمثيل والتشبيه ولعمري إن هذا هو الصراط المستقيم [31]"

"خود کو ان امور سے بچاؤ جو سلف صالحین کے عقائد کے خلاف ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر نقص سے پاک ماننا اور اس کی صفات میں تشبیہ اور تمثیل سے اجتناب کرنا۔ بے شک، یہی صراطِ مستقیم ہے۔"

5)---فقہی مسالک کا تذکرہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ تقلید شخصی کے مخالف تھے۔ اس لیے وہ فتویٰ دیتے وقت اکثر آیت و روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ ائمہ اربعہ کے مسالک سے اپنے آپ کو مستغنی نہیں سمجھتے، اور فتویٰ دیتے وقت بسا اوقات ائمہ اربعہ کے اقوال اور دیگر مکاتبِ فکر کے عقائد و نظریات پیش کرتے ہیں۔ اور کتاب و سنت کی بنیاد پر ان میں محاکمہ کرتے ہیں۔ فتاویٰ النساء کے اکثر مسائل میں وہ مذاہب اربعہ کے اقوال کا تذکرہ کرتے ہیں، چنانچہ جب ان سے روزہ کی حالت میں مضمضہ، استنشاق، مسواک، کھانا چکھنے، قے کرنے، خون نکلنے، تیل اور سرمہ لگانے کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ کے اقوال ذکر کرکے ان کی وضاحت کی۔

وہ لکھتے ہیں:

مثال: وسئل رحمه الله: عن المضمضة والاستنشاق والسواك وذوق الطعام والقيء وخروج الدم والادهان والاكتحال ؟

فأجاب: أما المضمضة والاستنشاق فمشروعان للصائم"[32]

"سوال کیا گیا: (روزہ دار کے لیے) مضمضہ، استنشاق، مسواک، کھانے کا ذائقہ چکھنا، قے آنا، خون کا بہنا، تیل لگانا اور کحل لگانا کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جواب دیا گیا: جہاں تک مضمضہ اور استنشاق کا تعلق ہے، یہ دونوں چیزیں روزے دار کے لیے مشروع (جائز) ہیں۔"

6)---ترجیح الراجح

فتویٰ دیتے وقت وہ اکثر کسی ایک قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور مختلف طریقوں سے استدلال پیش کر کے اس کی وجہ ترجیح بھی متعین کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جب ان سے عمرہ کی شرعی حیثیت کے بارے میں پوچھا گیا ،تو انہوں نے ائمہ اربعہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا:

مثال:"سئل شيخ الإسلام عن العمرة هل هي واجبة ؟ وإن كان فما الدليل عليه ؟

فأجاب: والعمرة في وجوبها قولان للعلماء هما قولان في مذهب الشافعي وأحمد والمشهور عنهما وجوبها . والقول الآخر لا تجب وهو مذهب أبي حنيفة ومالك . وهذا القول أرجح[33]"

"شیخ الاسلام سے سوال کیا گیا: کیا عمرہ واجب ہے؟ اور اگر ہے تو اس پر کیا دلیل ہے؟ جواب دیا گیا: عمرہ کے واجب ہونے کے بارے میں علماء کے درمیان دو اقوال ہیں۔ ایک قول امام شافعی اور امام احمد کا ہے، جس کے مطابق عمرہ واجب ہے، اور یہ ان دونوں کا مشہور موقف ہے۔ دوسرا قول امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا ہے، جن کے نزدیک عمرہ واجب نہیں ہے۔ اور یہ قول زیادہ ترجیحی ہے۔"

7)---مسئلہ قاری کے ذہن پر چھوڑنا

بسا اوقات وہ سائل کا جواب دیتے وقت ائمہ اربعہ کے اقوال نقل کرتے ہیں، اور ان میں کسی ایک قول کو متعین کیے بغیر یا کسی ایک قول کو راجح قرار دیئے بغیر آگے نکل جاتے ہیں۔ اور مسئلہ قاری کے ذہن پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرزِ عمل سے شاید ان کا مقصد مذکورہ اقوال برابر قرار دے کر سائل کو ان میں کسی ایک اختیار کرنے کا اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب ان سے روزے کی حالت میں سرمہ لگانے کے متعلق پوچھا گیا، تو انہوں نے جواب دیا:

مثال:"ومذهبه في الكحل الذي يصل إلى الدماغ أنه يفطر كالطيب وللحاجة ومذهب مالك نحو ذلك وأما أبو حنيفة والشافعي رحمهما الله فلا يريان الفطر بذلك والله أعلم[34]"

"ان کا موقف یہ ہے کہ کحل جو دماغ تک پہنچ جائے، وہ بھی روزہ کو افطار کر دیتا ہے، جیسے خوشبو کے تیل کا معاملہ ہے، اور یہ ضرورت کے تحت بھی جائز ہے۔ امام مالک کا بھی یہی موقف ہے۔ تاہم، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہا اللہ کے نزدیک اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔"

8)۔۔۔توضیح مسئلہ کے دوران متوقع اشکال وجواب

امام ابن تیمیہؒ کسی استفتاء کا جواب دیتے وقت اس کے تمام اطراف کا استقصاء کر لیتے ہیں۔ اور اسی دوران متوقع اشکال وارد کر کے اس کا بھرپور انداز میں جواب دیتے ہیں، تاکہ مخالفین کے لیے کوئی جگہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ وہ حج تمتع کو ترجیح دینے کے بعد اس پر مخالفین کی طرف سے اعتراض کر کے اس کا جواب تحریر کرتے ہیں:

مسألة وإجابة

"ولا يعارض هذا أن بعض المتقدمين كان ينهى عن المتعة ، وكان بعض الولاة يضرب عليها فعلماء أصحاب هذا القول قد قيل : إنهم لم يكونوا يحرمون المتعة بل كانوا يختارون أن يعتمر الناس في غير أشهر الحج كي لا يزال البيت معمورا بالحجاج والعمار[35]"

"یہ اس بات کے متعارض نہیں ہے کہ بعض متقدمین متعہ (عمرہ کے بعد حج کرنے کی اجازت) سے منع کرتے تھے، اور کچھ حکام اس پر سزا بھی دیتے تھے۔ اس قول کے حامل علماء نے کہا ہے کہ وہ متعہ کو حرام نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ چاہتے تھے کہ لوگ حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کریں تاکہ خانہ کعبہ ہمیشہ حجاج اور معتمرین سے آباد رہے۔"

9)۔۔۔تفصیلی جواب

امام ابن تیمیہؒ عمومی طور پر تفصیلی جواب دینا پسند کرتے ہیں، ان کے فتاویٰ جات و مضامین میں بہت طوالت واطناب پایا جاتا ہے۔ انہوں نے اکثر ضخیم رسالے کسی سوال کے جواب میں تحریر کیے ہیں۔ مثلاً رسالۃ الحمویہ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ چنانچہ زیادہ سے زیادہ دلائل جمع کر کے پوری استقصاء کے ساتھ سوال کا جواب تحریر فرما کر سائل کے لیے کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں رہنے دیتے۔ وہ کبھی کبھی کسی موضوع پر قلم اٹھاتے وقت اتنا مواد ودلائل جمع کرتے ہیں، کہ وہ اپنے موضوع پر ایک چھوٹا سا "دائرۃ المعارف" بن جاتا ہے۔ وہ جواب میں اتنی تفصیل سے کام لیتے ہیں، کہ مسئلہ کی نوعیت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اور سائل کے لیے اس کو اپنے غلط مقاصد کی خاطر استعمال کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ان کے مایہ ناز تلمیذ رشید حافظ ابن قیم

نے ان کے اس طریقہ جواب کی بڑی مدح و تعریف کی ہے۔ چنانچہ ابن القیمؒ فتویٰ کے اصول ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لا يجوز للمفتي إطلاق الفتوى في مسألة فيها تفصيل[36]"

"مفتی کے لیے جائز نہیں کہ کسی ایسے مسئلے میں عمومی فتویٰ دے جس میں تفصیل ہو۔"

10)۔۔۔مختصر و جامع جواب پر اکتفا

امام ابن تیمیہؒ بعض اوقات فتویٰ دیتے وقت بے جا طوالت سے گریز کرتے ہیں، اور انتہائی مختصر جواب پر اکتفاء کرتے ہیں۔ تاکہ قاری کے لیے اکتاہٹ کا سبب نہ بنے۔ اور سائل کو آسان انداز میں بنیادی مسئلہ معلوم ہو جائے۔ چنانچہ جب ان سے اس بوڑھے شخص کے متعلق پوچھا گیا، جس کے اعضاء ڈھیلے ہو چکے ہوں، کھانے پینے اور چلنے پھرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، کیا اس کے لیے کسی کو کرایہ پر لینا جائز ہے، جو اس کی طرف سے فرض حج ادا کر سکے؟ انہوں نے جواب دیا۔ جو شخص جانور پر سواری کی استطاعت نہ رکھتا ہو، تو وہ نائب پکڑ کر حج کروا سکتا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

مثال: "وسئل: عن شيخ كبير وقد انحلت أعضاؤه . لا يستطيع أن يأكل أو يشرب ولا يتحرك هل يجوز أن يستأجر من يحج عنه الفرض ؟فأجاب: أما الحج فإذا لم يستطع الركوب على الدابة فإنه يستنيب من يحج عنه"[37]

"سوال کیا گیا: ایک بہت بوڑھے شخص کے بارے میں، جس کے اعضاء کمزور ہو چکے ہیں، وہ نہ کھا سکتا ہے، نہ پی سکتا ہے اور نہ حرکت کر سکتا ہے۔ کیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی کو اپنے فرض حج کے لیے اجرت پر مقرر کرے؟ جواب دیا گیا: جہاں تک حج کا تعلق ہے، تو اگر وہ سواری پر سوار ہونے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ کسی کو اپنی طرف سے حج کرنے کے لیے مقرر کر سکتا ہے۔"

11)۔۔۔جزئیات کے بجائے اصول

امام ابن تیمیہؒ جزئیات کے بجائے اصول پر زور دیتے ہیں، اور کسی جزئیہ کا جواب دیتے وقت دین کے کئی اصول و قواعد سامنے لاتا ہے۔ اور دین کا راز داں ہونے کی حیثیت سے دین کا اصل مقصد، مزاج اور اس کی روح قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ان سے جب اس عورت کے متعلق پوچھا گیا، جو فوت ہو جائے، اور اپنے پیچھے شوہر اور بھانجی چھوڑے؟ تو انہوں نے مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ذکر کر کے ان کے اصول کی طرف رہنمائی کی۔ عبارت ان کی زبانی ملاحظہ ہو۔

"وسئل - رحمه الله: - عن امرأة ماتت : وخلفت زوجا وابن أخت ؟

فأجاب: للزوج النصف وأما ابن الأخت ففي أحد الأقوال له الباقي ---- . وأصل هذه المسألة : تنازع العلماء في " ذوي الأرحام " الذين لا فرض لهم ولا تعصيب . فمذهب مالك والشافعي وأحمد في رواية : أن من لا وارث له بفرض ولا تعصيب يكون ماله لبيت مال المسلمين . ومذهب أكثر السلف وأبي حنيفة والثوري وإسحاق وأحمد في المشهور عنه يكون الباقي لذوي الأرحام[38]"

"ان سے (اللہ ان پر رحم فرمائے) سوال کیا گیا: ایک عورت کا انتقال ہو گیا اور اس نے شوہر اور بھانجے کو وارث چھوڑا ہے؟ جواب دیا گیا: شوہر کو نصف ملے گا، اور بھانجے کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اسے بقیہ ملے گا۔ اس مسئلے کی اصل یہ ہے کہ علماء کا "ذوی الارحام" (وہ رشتہ دار جو نہ صاحبِ فرض ہیں اور نہ صاحبِ تعصیب) کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کی ایک روایت کے مطابق، جس کا کوئی وارث صاحبِ فرض یا صاحبِ تعصیب نہ ہو تو اس کا مال بیت المال میں چلا جائے گا۔ جبکہ اکثر سلف، امام ابو حنیفہ، امام ثوری، اسحاق اور امام احمد کے مشہور قول کے مطابق بقیہ مال ذوی الارحام کو ملے گا۔"

12)۔۔۔۔استنباطی طرز واسلوب

امام ابن تیمیہؒ فتویٰ دیتے وقت تحریر میں استنباطی طرز واسلوب اختیار کرتے ہیں، جو فقہی مسائل کے زیادہ مناسب ہے۔ اسی طرح وہ مستفتی کے مسئلے کا جواب دیتے وقت کئی اہم ذیلی مسائل کی بھی وضاحت کرتے ہیں، جو سائل کے سوال کی بہ نسبت زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ یا وہ متعلقہ مضمون کے ذیل میں آتے ہیں۔ چنانچہ جب ان سے اقسامِ حج میں سے کسی ایک کی افضلیت کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے حج کی کئی صورتیں ذکر کر کے ہر ایک کا الگ حکم ذکر کیا، اور اس کے ذیل میں کئی اہم مسائل مستنبط کیے۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔

"وأما قول القائل : أيما أفضل ؟. فالتحقيق في هذه المسألة : أنه إذا أفرد الحج بسفرة والعمرة بسفرة فهو أفضل من القران والتمتع الخاص بسفرة واحدة[39]۔۔۔۔الخ"

"جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کون سا افضل ہے؟ تو اس مسئلے میں تحقیق یہ ہے کہ اگر حج کے لیے الگ سفر کیا جائے اور عمرہ کے لیے الگ سفر کیا جائے تو یہ قران اور تمتع کے مقابلے میں افضل ہے، جن میں دونوں (حج اور عمرہ) ایک ہی سفر میں کیے جاتے ہیں۔"

13)۔۔۔۔تکرار موضوعات

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تحریرات میں بہت زیادہ تکرار پایا جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے، کہ ان کی اکثر تصانیف کی حیثیت فتاویٰ کی ہے،جو کسی سائل کے پوچھنے پر تصنیف کی گئی ہیں۔بسا اوقات حافظ ابن تیمیہؒ نے جواب لکھ کر چھاپنے کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے اصل تحریر سائل کے حوالے کر دی، جب کہ دوسرے موقع پر وہی سوال کسی دوسرے سائل کی طرف کیے جانے پر وہی جواب کمی بیشی کے ساتھ دوبارہ تحریر کر دی۔ چنانچہ اسی بناء پر فتاویٰ النساء کے بعض فتاویٰ میں بھی تکرار پایا جاتا ہے۔چنانچہ طواف الحائض کا مسئلہ فتاویٰ النساء میں صفحہ نمبر17پر" لماذا منعت الحائض من الطواف؟"صفحہ نمبر103پر"طواف الحائض"صفحہ نمبر105 پر"طواف الحائض والجنب والمحدث"صفحہ نمبر336پر"الحیض والاعتکاف"صفحہ نمبر357پر"وسئل عن المرأة اذا جاء ها الحیض فی وقت الطواف ما الذی تصنع؟"عنوانات کے تحت مذکور ہے۔

14)۔۔۔۔ابواب بندی:

فتاویٰ النساء کی ایک منفرد خصوصیت اس کی ابواب بندی ہے۔اس کے اصل ماخذ " مجموع الفتاویٰ الکبریٰ" میں مسئلے کے اوپر متعلقہ عنوان موجود نہیں ہے۔مرتبِ کتاب ابراہیم الجمل نے فتاویٰ النساء میں ہر مسئلہ پر اس کا عنوان لگا کر اس کی قدر وقیمت میں اضافہ کر کے پڑھنے والے کے لیے مزید سہولت پیدا کر دی۔

مثال کے طور پر:

عنوان:إذا صلت المرأة وظاهر قدمها مكشوف

وسئل :عن المرأة إذا صلت وظاهر قدمها مكشوف ، هل تصح صلاتها ؟فأجاب: هذا فيه نزاع بين العلماء ومذهب أبي حنيفة صلاتها جائزة وهو أحد القولين [40]"

"اگر عورت نماز پڑھتے وقت اپنے پاؤں کی ظاہری سطح کھلا رکھے سوال کیا گیا:اگر عورت نماز پڑھتے وقت اپنے پاؤں کی ظاہری سطح کھلا رکھے تو کیا اس کی نماز صحیح ہوگی؟جواب دیا گیا:اس مسئلے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے،اور امام ابو حنیفہ کا موقف یہ ہے کہ اس کی نماز جائز ہے،اور یہی ایک قول ہے۔"

چنانچہ پڑھنے والا دقت محسوس کیے بغیر صرف عنوان سے اس کے تحت مذکورہ مسئلے کی نوعیت کا اندازہ لگا سکتا ہے، کہ مذکورہ مسئلہ کیا ہے ؟ اور کس باب سے متعلق ہے؟نیز کسی ایک باب کے تحت مذکورہ عنوانات پر نمبر پڑالے گئے ہیں۔تاکہ مسائل کی تعداد کا اندازہ ہو سکے۔

نتائج البحث:

اس تحقیقی مقالے سے جو نتائج اخذ ہوئے ، وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ امام ابن تیمیہؒ کی ولادت مشہور قول کے مطابق 10 ربیع الاول 661ھ مطابق 22 جنوری 1263ء کو مشہور شہر حران میں ہوئی۔

2۔ آبائی وطن حران میں چھ سال گزار کر تاتاریوں کے حملے کے بعد اپنے والد عبدالحلیم کے ہمراہ 667ھ میں دمشق کی طرف کوچ کیا۔

3۔ کم سنی کے باوجود تیز ذکاوت وفطانت، بڑی محنت، یکسوئی اور مسلسل جدوجہد کی بناء پر علوم القرآن، علوم الحدیث، فقہ، عربی اور اپنے زمانے کے دیگر علوم متداولہ پر کامل دسترس حاصل کی۔

4۔ امام ابن تیمیہؒ ایک عظیم مفکر، مجدد، مصلح اور مدبر تھے۔ انہوں نے اصلاحِ عقائد، اخلاقیات، سیاسیات، علوم اسلامی اور علوم عقلی ونقلی میں اصلاحی اور تجدیدی کارنامے سرانجام دیئے۔

5۔ امام ابن تیمیہؒ کی کثرتِ تصانیف پر سب کا اتفاق ہے۔ البتہ بعض کے نزدیک آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو، دوسرے قول کے مطابق ایک ہزار، جب کہ تیسرے قول کے مطابق چار ہزار ہیں۔

6۔ بعض مخالفین نے ان کی طرف ایسے موجبِ کفر اقوال منسوب کیے، جن سے وہ بری تھے۔

7۔ امام ابن تیمیہؒ 22 ذی الحجہ 728ھ کو اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ اور اسلامی ممالک کے اکثر قریب وبعید شہر میں آپ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔

8۔ امام ابن تیمیہؒ اکثر مسائل میں ائمہ اربعہ یا ائمہ ہدیٰ میں سے کسی امام کی رائے کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں، اور بعض مسائل میں انہوں نے اجتہاد سے کام لیا ہے۔ لہٰذا ان کے تمام فتویٰ واجتہاد کا موازنہ کرنے کے بعد ان کے بارے میں درست رائے یہ ہے، کہ وہ حنبلی مذہب کے مجتہد منتسب تھے۔

9۔ فتاویٰ النساء ایک مدلل فتاویٰ ہے، جو کہ دلائل اور تحقیق وجستجو کا ایک بحرِ بے کنار ہے۔

10۔ اس فتاویٰ میں ائمہ اربعہ کے اقوال کی وضاحت دلائل کے ساتھ کی گئی ہے۔ نیز راجح قول کی طرف رہنمائی بھی کی گئی ہے۔

حوالہ جات وحواشی:

---

[1] مرعی بن یوسف الکرمی(1033ھ)،الکواکب الدریۃ فی مناقب المجتھد ابن تیمیۃ، طبع اول(بیروت:دارالغرب الاسلامی،1986ء)، ص:52

Mari bin Yousaf Al-karmi(1033h),Al-kawakib Ul-Durria Fe Manaqib Al-Mujtahid Ibn Taimia,1st Edition,Berut,Dar Ul Gharb Al-Islami,1986,P:52

[2] محمد بن احمد بن عبد الھادی (744ھ)،العقود الدریۃ من مناقب شیخ الاسلام ابن تیمیۃ، طبع اول ، (قاہرۃ:الفاروق الحدیث،2002ء)، ص:4

Muhammad bin Ahmad bin Abdul Hadi(744h),Al-uqood Al-Durria Men Manaqib Shaikh Ul-Islam ibn Taimia,1st Edition,Qahira,Al-Farooq Ul-Hadith,2002,P:4

[3] اس لنک پر جا کر ہجری کلینڈر دیکھا جاسکتا ہے۔(https://habibur.com/hijri/661/3/)

[4] صائب عبد الحمید، ابن تیمیۃ حیاتہ وعقائدہ، طبع اول، بیروت:الغدیر، ص:19

Sayib Abdul Hameed,Ibn Taimia Hayatuh wa Aqaiduh, 1st Edition,Berut,Al-Ghadeer,P:19

[5] ابن عبد الہادی، العقود الدریۃ من مناقب شیخ الاسلام ابن تیمیۃ، ص:4

Ibn Abdul Hadi,Al-Uqood Al-Durria Men Manaqib Shaikh Ul-Islam ibn Taimia,P:4

[6] ابن کثیر، اسماعیل ابن عمر(774ھ)، البدایۃ والنھایۃ، طبع اول،(بیروت:مرکز البحوث،1998ء)،ج18، ص:300

Ibn Kaseer,Ismail Ibn Umar(774h),Al-Bedaya Wa Nihaya,1st Edition,Berut,Markaz Ul-Buhoos, 1998,Vol:18,P:300

[7] ابو الحسن، علی، تاریخ دعوت وعزیمت (کراچی: مجلس نشریات اسلام)، ج2۔ ص37

Abul Hasan,Ali, Tareekh Dawat wa Azeemat,Karachi,Majlis Nashriat Islam,vol:2,P:37

[8] محمد ابوزہرہ، ابن تیمیۃ حیاتہ وعصرہ آراؤہ وفقھہ، (دارالفکر العربی، سطن)، ص:20

Muhammad Abu Zuhra,Ibn Taimia Hayatuh wa Asruh Araauh wa Fiqhu,Dar Ul Fekar Al-Arabi,Satan,P:20

[9]ابو عبد اللہ محمد بن سعید، حول حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ، طبع دوم،(مکتبۃ المنار:2002ء)، ص16

Abu Abdulah,Muhammad bin Saeed,Haula Hayat Shaikh Ul Islam Ibn Taimia,2nd Edition, Maktab Al-Manar,2002,P:16

[10]ابن عبد الہادی، العقود الدریۃ من مناقب شیخ الاسلام ابن تیمیۃ، ص:6

Ibn Abdul Hadi,Al-Uqood Al-Durria Men Manaqib Shaikh Ul-Islam ibn Taimia,P:6

[11]ابن الوردی،زین الدین عمر بن مظفر(749ھ)،تاریخ ابن الوردي(بیروت:دار الکتب العلمیۃ،1996ء)،ج2،ص277

Ibn Ul-Wardi,Zain Uddin Umar bin Muzaffar(749h),Tareekh Ibn Ul-Wardi,Berut,Dar Ul-Kutub Ul- Ilmia,1996,vol:2,P277

[12]ذہبی، محمد بن احمد بن عثمان(748ھ)، سیر اعلام النبلاء، طبع نہم(بیروت:یعسوب،1993ء)،ج23،ص:292

Zahabi,Muhammad bin Ahmad bin Usman(748h),Seiar Aalam Ul-Nubala,Edition 9th,Berut, Yasoob,1993,vol:23,P:292

[13]محمد ابوزہرہ،ابن تیمیہ حیاتہ وعصرہ آراؤہ وفقھہ، ص:23

Muhammad Abu Zuhra,Ibn Taimia Hayatuh wa Asruh Araauh wa Fiqhu,P:23

[14]مودودی،سید ابوالاعلیٰ، تجدید واحیائے دین،ایڈیشن39(لاہور:اسلامک پبلی کیشنز،فروری2010ء)،ص58

Modudi,Sayyad Abul Aala,Tajdeed wa Ihya Deen, Edition 39th,Lahore,Islamic Publication, Feb2010,P:58

[15]ابن کثیر،البدایۃ والنھایۃ،ج18،ص:267

Ibn Kaseer,Al-Bedaya Wa Nihaya,Vol:18,P:267

[16]عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب(795ھ)، الذیل علی طبقات الحنابلۃ، طبع اول(ریاض:مکتبۃ العبیکان،2005ء)، ج4،ص528

Abdul Rehman bin Ahmad bin Rajab(795h),Al-Zail Ala Tabqat Ul-Hanabila, 1st Edition, Riaz,Maktaba Ul-Ubaikan,2005,vol:4,P:528

[17] ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج18، ص:299-301

Ibn Kaseer,Al-Bedaya Wa Nihaya,Vol:18,P:299-301

[18] برق، غلام جیلانی، امام ابن تیمیہ، طبع اول(لاہور: الفیصل)، ص168

Barq,Ghulam Jailani,Imam Ibn Taimia, 1st Edition,Lahore,Alfaisal,P:168

[19] محمد ابوزہرہ، ابن تیمیۃ حیاتہ وعصرہ آراؤہ وفقھہ، ص:522

Muhammad Abu Zuhra,Ibn Taimia Hayatuh wa Asruh Araauh wa Fiqhu,P:522

[20] الآلوسی، نعمان بن محمود بن عبداللہ(1317ھ)، جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین، طبع اول(مطبعۃ المدنی، 1981ء)، ص24

Al-Alusi,Numan bin Mahmood bin Abdullah(1317h),Jela Ul-Aainain Fe Muhakat Ul-Ahmadain, 1st Edition,Matbat Ul-Madani,1981,P:24

[21] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج18، ص:293

Ibn Kaseer,Al-Bedaya Wa Nihaya,Vol:18,P:293

[22] ابن تیمیہ، فتاویٰ النساء(قاہرۃ: مکتب القرآن، سطن)، ص6

Ibn Taimia,Fatawa Ul-Nisa,Qahira,Makta Al-Quran,Satan,P:6

[23] ابن تیمیہ، فتاویٰ النساء، ص8

Ibn Taimia,Fatawa Ul-Nisa,P:8

[24] مجتہد منتسب وہ ہوتا ہے، جو فروع واصول میں مجتہد ہو، لیکن طریق استدلال وطریق استنباط میں کسی امام کے ساتھ متفق ہو۔ اور عام طور پر اس کے دائرہ کار سے نہ نکلتا ہو۔

[25] تاریخ دعوت وعزیمت، ج2، ص:343

Abul Hasan,Ali, Tareekh Dawat wa Azeemat,vol:2,P:343

[26] ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم(728ھ)، مجموع الفتاویٰ، طبع سوم(دارالوفاء، 2005ء)، ج20، ص228

Ibn Taimia,Ahmad bin Abdul Haleem(728h),Majmoo Ul-Fatawa,3rd Edition, Dar Ul-Wafa, 2005,vol:20,P:228

27 سورۃ النساء:4:19

Sura Nisa:4:19

28 ابن تیمیہ، فتاویٰ النساء، ص448

Ibn Taimia,Fatawa Ul-Nisa,P:448

29 ایضاً، ص81

Ibid,P:81

30 ایضاً، ص96

Ibid,P:96

31 ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ج4، ص375

Ibn Taimia,Majmoo Ul-Fatawa,,vol:4,P:375

32 ابن تیمیہ، فتاویٰ النساء، ص63

Ibn Taimia,Fatawa Ul-Nisa,P:63

33 ایضاً، ص84

Ibid,P:84

34 ایضاً، ص64

Ibid,P:64

35 ایضاً، ص101

Ibid,P:101

36 الجوزیۃ، ابن قیم، اعلام الموقعین، (بیروت: دارالجیل، 1973ء)، ج4، ص187

Al-Jozia,Ibn Qayim,Alam Ul-Muaqeen,Berut,Dar ul Jail,1973,vo:4,P:187

37 ابن تیمیہ، فتاویٰ النساء، ص89

Ibn Taimia,Fatawa Ul-Nisa,P:89

[38] ایضاً، ص416

Ibid,P:416

[39] ایضاً، ص:95

Ibid,P:95

[40] ایضاً، ص39

Ibid,P:39